ڈاکٹر محمد یونس ندیم

تعارف

نام : ڈاکٹر محمد یونس ندیم

پیدائش : ۱۹۶۲ء۔ کوہاٹ

تعلیم : ایم بی بی ایس (پشاور)

ملازمت : میڈیکل آفیسر صوبائی محکمہ صحت

مستقل پتہ : چار باغ جنگل خیل پشاور روڈ کوہاٹ
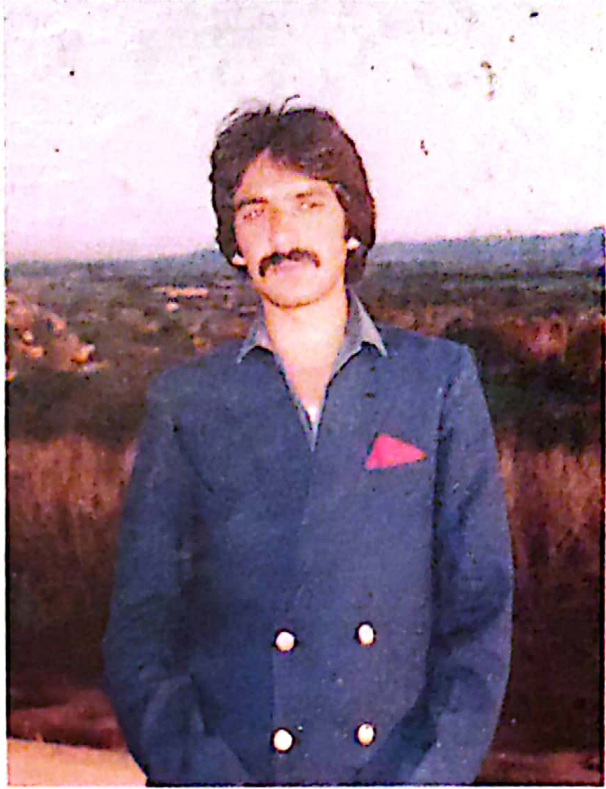
یونس ندیم کی شاعری میں دو عناصر بہت نمایاں ہیں۔ اول اظہار محبت میں بھی اس کا دھیما پن اور شائستگی اور دوم زندگی کے حقائق کو سمجھنے کے لئے فکر کی دنیا میں اس کا ہمہ جہتی سفر! وہ حقائق کو بعینہٖ قبول کر لینے کی بجائے ان کے پس منظر اور پیش منظر کا گہرا تجزیہ کرتا ہے اور ساتھ ہی محبت یوں کرتا ہے جیسے عبادت کر رہا ہے۔ بے شک اس کے پورے کلام میں کرب کی زیریں رو اول سے آخر تک چلتی ہے مگر اس کرب کا دوسرا پہلو اس کے شعور کی بیداری اور اس کے وجدان کی روشنی ہے۔ پھر زبان و بیان پر اسے قابل تحسین قدرت حاصل ہے اور وہ نازک سے نازک مقامات پر سے بھی سہولت کے ساتھ گزر جاتا ہے۔ یونس ندیم کے وجود میں بشرط استقامت مجھے مستقبل کا ایک اہم شاعر نظر آ رہا ہے۔

"یونس ندیم کی شاعری میں بڑا جوہر اور بڑی چمک ہے ماشاء اللہ"

احمد ندیم قاسمی

شاہین بکس

سپوگمئے پلازہ۔ جمرود روڈ پشاور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینے ترستے ہیں

۱۹۸۱ _ ۱۹۹۰

ڈاکٹر یونس ندیم

آئینے ترستے ہیں

ڈاکٹر یونس ندیم

بار اول ـــــــ ۱۹۹۲ء

مصنف ـــــــ ڈاکٹر یونس ندیم

ناشر ـــــــ مصطفےٰ کمال

سرورق ـــــــ سعید سلطان

خطاطی ـــــــ نوری نستعلیق کمپیوٹر

تعداد ـــــــ ایک ہزار

مطبع ـــــــ د چاپڑے پریس پشاور

ہر کسی کے چہرے پر جھوٹ کی سیاہی ہے
اب حسین لوگوں کو آئینے ترستے ہیں

BEAUTY IS TRUTH

TRUTH BEAUTY

THAT IS ALL YE KNOW ON EARTH

AND ALL YE NEED KNOW

(KEATS)

چه راغلے په جهان یم خبر شوے په خپل ځان یم

د رازونو خزانه وم خزانه یم له تراوس

(خوشحال بابا)

انتساب

امن، محبت اور سچائی
کے نام

فہرست

آغاز بہار میں پھولوں کی موت

(نثری نظمیں)

پیش لفظ

یونس ندیم کوہاٹ کی سنگلاخ سرزمین کی ایک دکھی مگر موثر آواز ہے۔

ایک ایسی درد آشنا آواز جس سے اہل فکر و نظر کی کئی خوشگوار امیدیں وابستہ ہیں جو آنے والے عہد میں مستقبل کے ایک نئے منظرنامے کے ساتھ ہمارے ادبی افق کو روشن کرے گی۔

پتھروں کی اس وادی نے ہمیشہ تر و تازہ پھول کھلائے ہیں اور ان کی خوشبو پوری دھرتی کے لئے ہمیشہ امید فصل گل کی خبر لائی ہے اس دھرتی کے باسیوں کے دلوں میں ایک امنگ ایک تڑپ اور ایک آرزو ہے اور وہ یہ کہ اس دیس کی گلیاں کبھی بے رنگ، اس کی شامیں کبھی بے چراغ اور اس کی صبحیں کبھی بے نور نہ ہوں۔ یہاں سورج اپنی کرنوں کو پھیلائے تو ان کی چمک دمک ہر گوشے تک پہنچے اور ہر مسافر کو ٹھنڈے پانی کے چشموں کا سکون اور گھنے گنجان درختوں کا سایہ نصیب ہو۔

یونس ندیم صداقتوں کے اس سفر میں رفاقتوں کا اعتبار حاصل کر کے خوابوں کی اس بستی میں اپنے پہلے قدم کے ساتھ اترا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس کی آمد سے ہر ایک سوکھی ٹہنی ہری ہو جائے گی اور منظر نئے رنگ پہن کر اس کے اندر کے عذاب مسلسل نے اس کو نجات دلائیں گے۔ وہ جانتا ہے کہ ہجر کے موسم نے بدلنا ہے۔ آنکھوں نے نئی رتوں کا استقبال کرنا ہے۔

پروفیسر محسن احسان
چیئرمین شعبہ انگریزی
اسلامیہ کالج پشاور

انتظار

سپنوں کے سب پیڑ برہنہ
سُونے منظر خوابوں کے
ہجر کی رُت میں
درد کی لو پر
روح تڑپتی جائے ایسے
آنکھوں سے موتی برسائے
کب گزریں گے سونے دن اور جاگتی راتیں
کب آئے گا وصل کا موسم
کب رنگوں کی بارش ہوگی
کب اُتریں گے میرے آنگن
سُندر پنچھی خوابوں کے

○

ہم نے ویسے ہی بسایا تھا نگر خوابوں کا
کتنا بے صرفہ گیا اپنا سفر خوابوں کا

خود ہی بنتے ہیں عذابِ دل و جاں اپنے لئے
ہم لئے پھرتے ہیں انبار بہ سر خوابوں کا

دل میں سپنوں کا ہر اک رنگ بکھرتا ہی گیا
ایسے پتھر ہوا یہ موم سا گھر خوابوں کا

مان تو لیتے ہیں ہم ہار تمناؤں کی
دیر تک ذہن پہ رہتا ہے اثر خوابوں کا

شہر میں زر کے عوض نام بِکا کرتے ہیں
ہم فقیروں کا اثاثہ ہے مگر خوابوں کا

خواب بُنتے ہیں حقائق کے تناظر میں ندیم
ہم سے سیکھے کوئی آکر یہ ہنر خوابوں کا

شہرِ خواب و خیال کا سفر

اے مقدس سحر!
یونہی جاری رہے زندگی کا سفر
دل میں مہکے رہیں میرے خواب و خیال
ان سے زندہ رہے زندگی کا جمال
ذہن میں سوچ کی لو کبھی کم نہ ہو
دل میں امید کی شمع مدھم نہ ہو
اے مقدس سحر!
میری دھرتی کہ ہے ایک ماتم کدہ
اس کی تیرہ شبی کا گلہ
میں کتابوں رسالوں میں کب تک پڑھوں؟
اس کی گلیوں کو بے نور کب تک لکھوں؟
اس میں بستے ہوئے
پھول چہروں کو مجبور کب تک سنوں؟

اے مقدس سحر!

یہ دعا ہے مری

زندگی کا سفر یونہی جاری رہے

ہلکی ہلکی خلش دل میں پلتی رہے

اور امید کی شمع جلتی رہے

میری دھرتی کا سینہ بھی

خوشیوں کے پھولوں کا مسکن بنے

اس کی شامیں ہمیشہ مہکتی رہیں

اس کی صبحیں ہمیشہ دمکتی رہیں

اے مقدس سحر!

بس ترے نام، ہو میرا سارا ہنر

یونہی جاری رہے زندگی کا سفر

روشنی کا سفر زندگی کا سفر

اے مقدس سحر!

اے مقدس سحر!

جدائی کے موسم میں لکھی گئی ایک نظم

پھول ، خوشبو
چاندنی ، رقصِ ہوا
صبح کا مصروف منظر
شام کی رنگیں فضا
رات کی خاموشیوں میں
موسمِ برسات کی سرگوشیاں
بارشوں کے بعد
اپنے شہر کا نکھرا سماں
زیست کے سو رنگ
پر تیرے بغیر
کتنے بے معنی ہوئے منظر سبھی
دور تیرے سائباں سے جان جاں
خواب میرے ہو گئے بے گھر سبھی

○

ترا رنگ اب جواں ہے ترے ساتھ اب زمانہ
مرے ساتھ میرے دکھ ہیں مرے ساتھ کب زمانہ

وہ جو کل تھی آج بھی ہے یہاں دل زدوں کی قسمت
وہی دل طلب محبت وہی جاں طلب زمانہ

مرا شہر سو رہا ہے مرے خواب جاگتے ہیں
مرے دل میں جاگتا ہے سرِ نیم شب زمانہ

ہوئے دار کی جو زینت وہ مثال آج بھی ہیں
وہی رنگِ حق شناساں وہی بے ادب زمانہ

مرے جرم کو نہ دیکھے مری بھوک کی نظر سے
مرے ہاتھ کاٹ دے گا کبھی بے سبب زمانہ

مری چاہتیں عبث ہیں مری سوچ بے زباں ہے
مرے ہاتھ میں جو زر ہو مرے ساتھ تب زمانہ

مرے پاس فکر نو ہے مرے پاس حرف رستہ
مجھے کیا ہرا سکے گا مری جان اب زمانہ

○

جب وفا کی خواہش پر درد و غم برستے ہیں
میری سادہ لوحی پر دل کے زخم ہنستے ہیں

کس کو پاس ہوتا ہے پیار کے تقاضوں کا
ہر کسی کی آنکھوں میں اپنے خواب بستے ہیں

خواہشوں کی راہوں میں نیکیوں کی لاشیں ہیں
زندگی کی منزل تک اور بھی تو رستے ہیں

ہر کسی کے چہرے پر جھوٹ کی سیاہی ہے
اب حسین لوگوں کو آئینے ترستے ہیں

سانپ پال لینے سے راحتیں نہیں ملتیں
آخرش سپیروں کو اپنے سانپ ڈستے ہیں

زندگی کے صحرا میں آندھیاں ہی آتی ہیں
جب بھی اپنے خیمے کی ہم طناب کستے ہیں

SOLITUDE

اس شہر میں زر کی دہشت نے
اس شہر میں زن کی وحشت نے
سب سنگی ساتھی چھین لئے

اس شہر کی اندھی گلیوں میں
اب روح بھٹکنے لگتی ہے

ایک مشورہ

ذرا سوچو !
تمہاری سرد مہری
جنونِ دل کہاں تک سہہ سکے گا
مجھے معلوم ہے
آئینِ الفت میں یہ جائز ہے
انا کے دائروں میں قید لوگوں سے چلے جانا
نہیں تقصیر کوئی
ایسی راہوں سے پلٹ جانا
جہاں سایہ نہیں ہوتا محبت کا
مگر یہ دل کہ ناداں ہے
اسے معلوم یہ کب ہے
انا کے جنگلوں میں گمشدہ راہی نہیں ملتے
کہ خالی گھر کے دروازے ہزاروں دستکوں سے بھی نہیں کھلتے

ذرا سوچو !

انا کی قید سے باہر چلے آؤ

وگرنہ جان جاں

میثاقِ الفت کے سبھی اقرار

سارے عہد اب کے ٹوٹ جائیں گے

رفاقت کے ہرے موسم بھی

ہم سے روٹھ جائیں گے

ذرا سوچو !

انا کی قید سے باہر چلے آؤ

تمہاری سرد مہری

جنونِ دل کہاں تک سہہ سکے گا۔

مجبوری

زمانے نے ستم یہ کیا کیا ہے
مرے دست و دہن کو
رکھ لیا گروی
کہیں ایک سیلڈ لاکر میں
مجھے اس جبر کے بدلے میں یارو
جو مہلت دی سکتی زندگی کی
وہ کتنی بے اثر
اور بے ثمر ہے
مجھے اس زندگی اور موت
دونوں ہی سے نفرت ہے
مگر میں کیا کروں اب تو
مری رسوائیاں یا موت
اس لاکر کی چابی ہے۔

SEALED -1

ہائیکو

ہر اک سُوکھی ٹہنی ہری ہو گئی ہے
کہ اِس سال بھی منظروں نے کئی رنگ بدلے
مگر میرے اندر عذاب مسلسل کا موسم نہ بدلا

○

کتنے مجبور و سخت جان تھے لوگ
دشتِ افلاس میں نہ ٹھہرے لوگ

خواب در خواب سب سفر میں رہے
مر گئے نامراد کتنے لوگ

غم تھے سچے خوشی تھی خوش فہمی
کیا کہیں کس طرح سے ٹوٹے لوگ

زر کے اس کھیل میں تماشائی
کچی بستی کے جھونپڑی کے لوگ

ہر حویلی میں ہے کنواں لیکن
در بدر پھر رہے ہیں پیاسے لوگ

سسکیاں اوڑھ کر ہی سوتے ہیں
میری بستی مری گلی کے لوگ

○

کبھی بے چین لمحوں میں جو تم آئے تو یوں آئے
سُلگتے موسموں میں جیسے بادل کے حسیں سائے

جہاں نے درد بخشے اور ہم نے اوڑھ لی خلوت
تو ایسے میں قلم کی نوک سے موتی نکل آئے

سبھی الزام ہم پر آئے تھے ان کی وکالت میں
مگر ان سادہ دل لوگوں نے ہم پر سنگ برسائے

ہمارے درمیاں جب رنجشیں بڑھتی گئیں پیارے
تمہارا ہجر یوں پھیلا کہ جیسے شام کے سائے

تمہارے ساتھ بھی میں خوش نہیں تھا
مگر بچھڑے تو کیا کیا درد جاگے

دعا

اے خدا!
میرے پیارے خدا!
لائق ہر ثنا
یونہی پھیلا رہے
میرا دستِ دعا
میں زمانے کے مردہ رواجوں، عقیدوں سے
روٹھا ہوا ایک بندہ ترا
منتظر ہوں ترے وصل کا
میری بستی کے یہ مصلحت کوش
مفتی، فقیہہ زاہد و پارسا
ان کو بھی میرے پیارے خدا
درسِ الفت سکھا

اے خدا !

میری بستی کے لوگوں کے چہروں پہ

گُل موسموں کے سبھی رنگ و خوشبو سجا

اے خدا !

جب ترا اَبرِ رحمت برس جائے گا

اور مرا شہرِ بے رنگ و خوشبو سنور جائے گا

میرے دل پر سکینت اتر آئے گی

پھر بھی میری تمنا رہے گی سدا

یونہی پھیلا رہے میرا دستِ دعا

میرے پیارے خدا

لائق ہر ثنا۔

OPTIMISM

کہانیاں یہاں رشتوں کی بے ثباتی کی
بہت سنی تھیں
مگر جانتے نہ تھے اتنا
کہ اپنے دل پہ بھی گزریں گے سانحے ایسے

محبتوں کے یہ سارے حصار ٹوٹیں گے
رفاقتوں کے سبھی اعتبار ٹوٹیں گے

میں بامراد نہیں اور خوش گماں بھی نہیں
مگر تلاش مجھے دوستوں کی اب بھی ہے

شدت درد کی توانائی

شریکِ غم کی اب کوئی طلب باقی نہیں ہے

غموں کی دھوپ میں عرفاں ہوا ہے

مجھے گھیرے الم اور درد کی شدت سے

رستے میں نئی منزل ملی ہے

جبر کے موسم میں لکھی گئی ایک نظم

عجیب دن ہیں
عجیب راتیں
چمن میں ہر سو
خموش لب اور اداس چہرے
سدا کی رسمِ ستم پہ ماتم کناں کھڑے ہیں
کہ شہرِ آشوب میں ستم کا
نیا یہ فرماں ہوا ہے جاری
کہ پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوں
لبوں پہ تالے لگے ہوئے ہوں
بصارتوں پہ پڑے ہوں پردے
اور اب سماعت کو حق نہیں ہے
کہ وہ حقیقت سے بہرور ہو

اگر کوئی اب

صداقتوں کے نئے سفر میں

حقیقتوں کو نکھار بخشے

تو اس کو زندانِ شہرِ غم کی

عذاب شاموں عذاب صبحوں میں جینا ہو گا

صداقتوں کا سفیر بننا

ہمیں گوارہ ہے اب بھی لیکن

فضا کی سوئی ہوئی رُتوں کے

اُجاڑپن پر گرفتہ دل ہیں

یہ تیرگی یوں نہیں چھٹے گی

چلو نئے اب علم اٹھائیں

علم اٹھائیں، قلم اٹھائیں

جہاں کے سارے ستم اٹھائیں

عجیب دن ہیں

عجیب راتیں۔

○

جہانِ نو میں محبت کا کوئی رستا نہیں
سو اب وفا کی طلب میں یہ دل ترستا نہیں

مجھے خوشی ہے تو بس یہ کہ دوسروں کی طرح
مرا وجود کسی آدمی کو ڈستا نہیں

کوئی بھی آئے اسے لوٹ کر چلا جائے
دلِ شکستہ مرا اس قدر بھی سستا نہیں

غمِ جہاں کا تقاضا ہے خامشی کی روش
نہیں یہ بات کہ دل ہی میں کوئی بستا نہیں

ہے میری آنکھ پہ اک بوجھ غم کے بادل کا
رُکا ہوا ہے کئی روز سے برستا نہیں

ندیم دور کی باتیں ہیں وصل و گویائی
نظر کا تیر بھی اب مجھ پہ کوئی کستا نہیں

○

تو بھی جو لب کشا ہوا سب دشمنوں کے بیچ
جی لیں گے ہم خوشی سے ہی اب دشمنوں کے بیچ

جس کو بھی دیکھئے وہی خنجر بدست ہے
ہم کر رہے ہیں پیار طلب دشمنوں کے بیچ

بے دردیٔ جہاں کا گلہ کیا کریں گے ہم
جب جی رہے ہیں لوگ ہی سب دشمنوں کے بیچ

ملتی رہی ہے مجھ کو سزا حرف حرف پر
اک عمر سے ہوں نوحہ بلب دشمنوں کے بیچ

جن سے امیدِ ہم سفری تھی ہمیں بہت
وہ لوگ بھی جدا ہوئے سب دشمنوں کے بیچ

جو مہربان دوست تھے سب یاد آگئے
میں گِھر گیا ندیم جو شب دشمنوں کے بیچ

اب تو یہ ہجر کا موسم بدلے

پیار کا رنگ مرے دل میں جو اترا تھا کبھی
اب بھی زندہ ہے مگر
خوفِ رسوائی جاناں دل میں
اور اک خواب
کہ تو جان بھی جائے مرے دل کی حالت
میں نے اس دشتِ ہوس میں پیارے
اک نئے رنگ سے چاہا ہے تجھے
یہ مرا جرمِ انا تھا کہ میں خاموش رہا
اور ترا زعم
عذابِ دل و جاں میرے لئے
پھر بھی میں سوچتا رہتا ہوں
کہ تجھ سے بھی گلہ کیسے ہو
میرا اندازِ تکلم بھی تو محدود رہا آنکھوں تک

مجھ سے اظہارِ تمنا نہ ہوا
تجھ پہ نظروں کی زباں بھی نہ کھلی
حوصلہ دیکھ میرے دل کا
کہ وہ خوابِ محبت ہے سلامت اب تک
اب تو یہ ہجر کا موسم بدلے
لب کھلیں، پیار بہ اندازِ دگر ہو جائے
اب تو اے جانِ جہاں بیچ کی دیوارِ انا گر جائے
پیار کے جرم کی بس اتنی سزا کافی ہے۔

محبت میں بے بسی کی ایک نظم

عجیب خواہشِ مہمل بسی ہے دل میں مرے
میں چاہتا ہوں
کہ تو پاس یوں رہے میرے
جدائی وصل کی خوشبو میں گھٹ کے مر جائے
ہمارا پیار کسی کے لئے عذاب نہ ہو
کسی بھی سمت سے ہم پر کوئی عتاب نہ ہو
میں جانتا ہوں
کہ یہ خواب، خواب ہوتے ہیں
میں کیا کروں؟ کہ مجھے دل پہ اختیار نہیں۔

ایک انقلابی کا اپنی ماں سے مکالمہ

اے میری ماں
تیرے سب درد سبھی خواب
دھڑکتے ہیں مرے سینے میں
تیری اجڑی ہوئی ترسی ہوئی آنکھیں
میری سوچوں میں سدا بولتی ہیں
اے میری ماں
میری دھرتی بھی مجھے تیری طرح پیاری ہے
جس کی مٹی میں
ہواؤں میں مدھُر پانی میں
زہرِ زر گھول کے اب وقت نے
اک حشر اٹھا رکھا ہے
لوگ ہر روز یہاں کیسے بکھر جاتے ہیں
اپنے احباب کے ہاتھوں ہی سے مر جاتے ہیں

بانجھ مٹی میں
سم آلودہ ہوا پانی میں
پھول خوشیوں کے نہیں کھلتے اب
سیپ سچائی کے دریا میں نہیں ملتے اب
اے میری ماں
میری دھرتی بھی مجھے تیری طرح پیاری ہے
اے میری ماں
میری دھرتی کا بھی حق ہے مجھ پر
ہاتھ رکھ سر پہ مرے
اور دعائیں دے کر
مجھ کو منزل کی بشارت دے دے
جب میں تکمیلِ محبت کے سفر کی خاطر
لوٹ آؤں کبھی پیراہن گُل گوں لے کر
چیخ کر کہنا
"کہ بیٹا مرا مر سکتا نہیں
زندہ ہے"

تیرے آنسو میرے پیغام کو
شکتی دیں گے
میرا ہر قطرہ خوں بول پڑے گا ایسے
جس طرح پیاسی زمیں
بعد برسات کے گاتی ہے مہکتے نغمے
جیسے خوشبو سے مہکتے ہیں سجیلے نغمے
اے میری ماں
مری دھرتی بھی مجھے تیری طرح پیاری ہے۔

○

نئے خواب خوابوں کے غم نئے
نئے رابطوں کے ستم نئے

نئی خواہش، نئی منزلیں
نئے راستوں کے کرم نئے

مجھے لے کے جائیں گے کس جگہ
نئی سمت میرے قدم نئے

تری جستجو میں ملے بہت
مری داستاں کو الم نئے

گئی رت بھی کتنی اجاڑ تھی
نئے دن بھی لائے ہیں غم نئے

احساسِ تنہائی

مرا اک اور اندیشہ
حقیقت میں بدل کر سامنے آیا
تو میں رویا
کئی راتیں نہیں سویا
کتابوں میں لکھی باتیں
بزرگوں سے سنی باتیں
بہت بے رنگ اور کرب و الم کی دھند میں
لپٹے ہوئے لمحوں کی صورت
دل میں در آئیں
تو میں اندر ہی اندر کس قدر ٹوٹا
بہت رویا
کئی راتیں نہیں سویا
کہ زہرِ آگہی نے میرا سارا چین سکھ لوٹا

اور ان بے رنگ بے آرام
اور تڑپے ہوئے لمحوں میں یہ جانا
کہ ہر اک شخص
اپنے دشمنوں اور دوستوں کے بیچ بھی
کتنا اکیلا ہے
مرا اک اور اندیشہ ....

ادھوری ملاقات کا نوحہ

ترے آنے سے پہلے دن بڑے بے سائباں گزرے
غموں کی دھوپ میں تڑپے ہوئے دن
الم کی بارشوں میں بھیگتے لمحے
ملے جب تم تو اتنا بھی نہیں پوچھا
کہ اس دنیا کے سم آلود ہاتھوں سے
تمہاری روح پر کتنے الم اترے
تمہارے دل کے کاغذ پر
کہاں اور کس قدر اشکِ قلم اترے
نہ میں نے اس قدر جانا
"ترے دیکھے ہوئے خوابوں پہ کیا گزری"
تری رخصت کا لمحہ اس طرح تھا
کہ جیسے ہاڑ کی رت میں گھٹا آئے
بنا برسے چلی جائے

کہ تیرے اس طرح ملنے سے بہتر تھا
نہ تو ملتا نہ تلخی درد کی بڑھتی
نہ آنکھوں کی نمی بڑھتی
نہ دل کی تشنگی بڑھتی
ترے آنے سے پہلے دن بڑے بے سائباں گزرے
غموں کی دھوپ میں تڑپے ہوئے دن
الم کی بارشوں میں بھیگتے لمحے۔

جب وقت جاگتا ہو تو سوئیں گے کس طرح
ہم خواب دیکھنے کے بھی قابل نہیں رہے

دستک

اے مرے شہر کے لوگو!
مجھے مصلوب کرو یا نہ کرو
خود کو سُولی سے اتارو
کہ یہاں جبر کا سایہ ہے نہ جانے کب سے
میری بستی میں اندھیرا ہے نہ جانے کب سے
اتنی ویرانی تو مجھ سے نہیں دیکھی جاتی
دل کے اندر مرے
احساس کی لو اتنی جلی
بجھ گیا ہے میرا چہرہ
میرا لہجہ بھی جلا
اے مرے شہر کے لوگو!
مجھے مصلوب کرو یا نہ کرو

کچھ مرے کربِ نہاں کا بھی تو احساس کرو
میری اس عمر کا ہر لمحہ تمہارا ہے مگر تم جاگو
ڈوبتا جائے اندھیروں میں نگر تم جاگو
پاس آجائے سویرا ابھی اگر تم جاگو
اے مرے شہر کے لوگو!
مجھے مصلوب کرو یا نہ کرو۔

اس دور کا ایک چھوٹا سا منصور ہوں میں بھی
ہے میرے بھی نعرے کے لئے شہر میں سولی

مت پوچھ کہ کیا گزری ہے ہم اہلِ وفا پر
کر شکر کہ اس شہر میں کوئی تو ہے باقی

پھرتے ہیں بہت آج بھی آشفتہ نظر لوگ
اک جنسِ محبت ہے پرانی نہیں ہوتی

ہم پیار کے رکھوالے ہیں ہم درد کے خوگر
زندہ ہے یہ اسلوبِ نظر شہر میں اب بھی

کچھ دیر چلے آؤ کریں پیار کی باتیں
تو کوئی زُلیخا ہے نہ میں یوسف ثانی

سچ بول کے سقراط بنے گا تو مری جاں
آکر کوئی کہہ دے گا یہ زہرآب ذرا پی

دوست

دوست اک ایسا شخص ہوتا ہے
جب بھی مشکل پڑے تو آنکھوں میں

اس کی تصویر سی ابھر آئے
جب کبھی دل کے پھول جذبوں پر

سنگ لفظوں کے کوئی برسائے
اس کا انداز شبنمی سا لگے

اور خود غرضیوں کے جنگل میں
جس کا اخلاص روشنی سا لگے

دوست اک ایسا شخص ہوتا ہے
جس کے بن ہر خوشی ادھوری ہو

جس کے ملنے سے جی سنبھل جائے
دل کی سُونی فضا بدل جائے
دوست اک ایسا شخص ہوتا ہے

رتجگے

سکوتِ شب میں
یہ شور کتوں کے بھونکنے کا
گھڑی کی ٹِک ٹِک
یہ اپنی سانسوں کی ہلکی آواز
سن رہا ہوں میں مدتوں سے
اداسیوں کی
اکیلے پن کی
یہ رت نہ جانے
کہاں سے آکر
ٹھہر گئی ہے
میں اپنے کمرے میں
سوچ برگد کے نیچے یارو
ہوں آج کا اک نیا سدھارتھ

میں سوچتا ہوں
کسی کی الفت کی رنجشوں پر
جہاں کے گمنام راستوں پر
میں شہرِ ماتم میں
داستانیں سناتے چہروں کی
سب لکیروں پہ سوچتا ہوں
میں سوچتا ہوں
کہ کل سدھارتھ کا سوچ پانی
جو بن کے بادل زمیں پہ برسا
اور اس کے دل کا غبار اترا
جہاں پر رنگِ بہار اترا
مجھے یہ ڈر ہے
یہ میری سوچیں
یہ میرے جذبے جو اَن کہے ہیں
یہ دل کے اندر ہی مر نہ جائیں
کہ میرے دامن میں
حرف کم اور دکھ بہت ہیں۔

○

رات سپنے ٹٹول لیتے ہیں
صبح دم آنکھ کھول لیتے ہیں

اندھے خوابوں کے نو دمیدہ پرند
دیکھ لو پر بھی تول لیتے ہیں

میرا سچ ہے تمہاری آنکھوں میں
آئینے جھوٹ بول لیتے ہیں

جان دیتے ہیں پیار کے بدلے
زندگی کا یہ مول لیتے ہیں

لوگ کس طرح پیار کی خوشبو
سونے چاندنی میں تول لیتے ہیں

"ق"

جب بھی سود و زیاں کی بات چلے
زہر رشتوں میں گھول لیتے ہیں

ڈر ہے خط بھیجنے میں یہ بھی ندیم
لوگ رستے میں کھول لیتے ہیں

○

ہر ایک زخم نیا اپنے آنسوؤں سے سیا
تمام جھوٹے سہاروں نے ساتھ چھوڑ دیا

فرار جرم ہے اور زندگی سزا ٹھہری
ہر ایک شخص یہاں کتنی مشکلوں میں جیا

ہوائے درد چلی جب تو میں اکیلا تھا
گلہ کسی سے نہیں ہے مگر یہ دیکھ لیا

جو ہاتھ آئیں تو پر اُڑ گئے ہواؤں میں
وہ تتلیاں جنہیں پانے کو ہم نے کیا نہ کیا

یہ سوز غم مرا ہر روز بڑھتا جاتا ہے
کہ میں نے زہر حروف و قلم زیادہ پیا

○

اُداس چہرے ہیں اور رنگ سب کے فق کتنے
ہمارے شہر میں سب دل ہوئے ہیں شق کتنے

یہاں پہ جینے کی قیمت عداوتِ دوراں
ہیں اس سفر کے بھی سب مرحلے ادق کتنے

بجھے ہیں زہرِ انا میں یہاں کے سب رشتے
کسی کے سنگ میں ہم کو ملے سبق کتنے

گلے ہر اک کو ہیں اپنی کتابِ قسمت سے
ملے ہمیں بھی ہیں اُلٹے جُڑے ورق کتنے

ابھی تلک میری بستی کے لوگ غافل ہیں
اگرچہ مل بھی چکے ہیں ہمیں سبق کتنے

ندیم جان لے اس سے گرانیِ شب و روز
ادا ہوئے تیرے ہونٹوں سے حرفِ حق کتنے

آئینہ

تری آنکھوں میں میرا آئینہ ہے

بہت دن ہوگئے ہیں خود کو دیکھے

مری نیندیں بھی تیری منتظر ہیں

تمہیں اب لوٹ کے آنا پڑے گا

تری آنکھوں میں میرا آئینہ ہے

LOVE-HATE RELATIONSHIP

مرے ہمراز، میرے دوست دشمن
انا کی تیرگی اور سوچ کی اس کج ادائی میں
مری سچی محبت
اور خلوصِ دل کو رد کرنے کی ضد میں
تم اپنے آپ سے کیوں لڑ رہے ہو؟
مجھے کامل یقیں ہے
کہ اس بے سمت اور اندھے سفر میں
خود اپنے آپ سے تم ہار جاؤ گے

تو پھر اے دوست دشمن تم
مری جانب چلے آنا
مرے الفت کدے کا در کھلا ہے اب بھی
اور تب بھی کھلا ہوگا
مری جانب چلے آنا۔

پہلی شکست کے نام

میں جانتا ہوں
کہ اس شہرِ سنگ و خشت کے بیچ
ہر ایک دل کو لگا ہے شکست کا دھڑکا
مگر یہ بات بھی کتنی بڑی حقیقت ہے
کہ خواہشات کے رنگوں سے
اور حوالوں سے
ہر ایک شخص کو، آخر شکست ہوتی ہے
یہ زندگی تو ہے بس آزمائشوں کا سفر
جو سرخرو ہیں انہیں کل شکست ممکن ہے
جو دل جلے ہیں وہ کل جیت بھی تو سکتے ہیں

بدن سے روح کا رشتہ ہے جب تلک قائم
یہاں پہ فتح کوئی آخری نہیں ہوتی
یہاں پہ کوئی شکست آخری نہیں ہوتی
میں جانتا ہوں
کہ اس شہرِ سنگ و خشت کے بیچ

انتقام

جو شیشے ٹوٹ جاتے ہیں

بڑے زہریلے ہوتے ہیں

کہ ان کو توڑنے والا

کبھی گر جوڑنا چاہے

تو اس کی انگلیوں سے

خون کے قطرے ٹپکنا

عین ممکن ہے۔

دعوت ترک تعلق

میں نے پہلے بھی تجھ سے کہا تھا سنبھل
تو نہ مانا مگر
اے مرے ہم سفر
تیرے وعدے بجا
وہ محبت کی قسمیں بھی سچی مگر
وقت تو وقت ہے
سارے موسم بدل دیتا ہے
اور رشتوں کے نازک گلوں کو
مسل دیتا ہے

اے مرے ہم سفر

رنجشیں کس قدر بڑھ گئیں

آؤ خوابوں کا اپنا نگر بانٹ لیں

اب تعلق جو زنجیر پا بن گیا

آؤ زاد سفر بانٹ لیں

اے مرے ہم سفر

اے مرے ہم سفر

سفر در سفر

خواب اور خواہش
دل کے اندر بکھرتی نہیں
دل کے باہر مگر
ان کے پیکر حسیں
کتنے اُجڑے سے
ویراں سے ہیں
جن کی خاطر
یہ بیمار روحیں
بسسکتی تڑپتی
رہی ہیں
سفر در سفر عمر بھر۔

ستم تمہارے رہے مسلسل مجھے بھی شوقِ وفا نہیں تھا
اب ایسے رشتے کے ٹوٹنے کا دلوں میں کیسا ملال رکھنا

ایک اداس شام

اداس سی یہ شام ہے
ہوائے مطلب آشنا بھی
چل رہی ہے شہر میں
تری وفا سے پیار سے
خیال خوشگوار سے
مرے پروں میں شوق ہے اُڑان کا
سو مجھ سے اتنی دوریاں ہیں کس لئے
کبھی کبھی وصال ہو
وہ رابطہ بحال ہو
فضائے شہرِ آرزو میں
گُھٹ نہ جائے دم مرا
محبتوں کی لہر بن کے آ کبھی
کبھی کبھی وصال ہو
وہ رابطہ بحال ہو

میں سیلِ درد و غم میں ڈوب جاؤں گا
کبھی نہ ہاتھ آؤں گا
سو مجھ سے اتنی دوریاں ہیں کس لئے۔

○

گزرتی جاتی ہیں دل پر قیامتیں کیا کیا
ہماری عمر میں پنہاں تھیں ساعتیں کیا کیا

جو لوگ سہل طلب تھے وہ ہار مان چکے
مجھے دکھوں سے ملی ہیں بشارتیں کیا کیا

مرے کلام سے نفرت تھی میرے منصف کو
میں بے گناہ تھا کرتا وضاحتیں کیا کیا

وفا کی راہ میں لازم ہے احتیاط یہاں
انا کی بھینٹ چڑھی ہیں رفاقتیں کیا کیا

گزرتے وقت کا رستہ کوئی نہ روک سکا
ہمارے سامنے ٹوٹیں روائتیں کیا کیا

جو دل جلے تھے یہاں پر وہ یوں ہی رسوا تھے
ندیم ہم بھی کریں گے شکائتیں کیا کیا

○

سوچوں میں اگر رہنا تو افلاک میں رہنا
خوابوں میں بھی وجدان کے پوشاک میں رہنا

خوشیوں کو تو راس آتے ہیں پیراہنِ کمخواب
ممکن ہی نہ تھا دامنِ صد چاک میں رہنا

خوابوں کو تو آنکھوں سے ڈھلک جانا تھا آخر
مشکل تھا بہت دیدۂ نمناک میں رہنا

گرچہ بہت آساں تو نہیں زندگی کرنا
اعزاز ہے پھر بھی مجھے اس خاک میں رہنا

ILLUSION

میں سمجھا تھا

تمہارا ساتھ میری زندگی ہے

مگر جب بھی گھڑی آئی

کبھی سُود و زیاں کی

تو پھر زعمِ رفاقت کا حسیں تارا

زمیں پر آگرا تھا

اور اب تو ایسے لگتا ہے

مری چاہت مری امید

میری آرزوؤں کے سبھی تارے

یونہی گرتے رہیں گے رفتہ رفتہ

دیئے سب آس کے

بجھتے رہیں گے رفتہ رفتہ

تمہارے ساتھ نے اے دوست میرے

مجھے احساسِ تنہائی دیا ہے۔

بچھڑ جانے کے اندیشے

مرے بھی دل کے اداس آنگن میں
چاہتوں کی حسین رُت ہے
مگر یہ ڈر ہے
تمہاری چاہت کا پھول موسم
جو میرے دل میں ٹھہر گیا ہے
اسے بھی اک دن گزرنا ہو گا
اگرچہ دل کو نہیں گوارا
کہ دونوں اک دوسرے کو ہاریں
مگر یہ سچ ہے
کہ ایک حالت میں
وقت نے آج تک یہاں پر
کسی کو رہنے نہیں دیا ہے

مجھے یہ ڈر ہے،
یہ وقت مجھ سے بھی چھین لے گا
تمہاری چاہت بھرے یہ لمحے
تمہاری الفت بھری نگاہیں
مجھے یہ ڈر ہے
یہ موجِ الفت گزر نہ جائے
یہ کیف سارا بکھر نہ جائے
مگر یہ سچ ہے
کہ اگلے برسوں
ملیں گے جب ہم
نہ تو یہ ہو گا
جو آج کل ہے
نہ میں یہ ہوں گا
جو آج کل ہوں۔

لوگ جب روٹھ گئے مجھ سے تو معلوم ہوا
ایک ہارے ہوئے انسان کی قیمت کیا ہے

کون چارہ گر.....؟

یہ عجیب وقتِ زوال ہے
مرے چارہ گر مرے یار سب
مجھے دشتِ غیر میں چھوڑ کر
مجھے کیا خبر وہ کدھر گئے
کوئی اپنی فکرِ معاش میں
نئی منزلوں کی تلاش میں
کوئی سیم و زر کے حصول میں
کئی گھر گئے
کئی جان سے بھی گزر گئے

کئی پانیوں میں ہوس کے جا کے اُتر گئے
مرے لفظ میرے خیال سارے بکھر گئے
میں کہوں تو کیا ؟
میں لکھوں تو کیا ؟
یہ عجیب ہجر و فراق ہے
یہ عجیب وقتِ زوال ہے
مرے چارہ گر مرے یار سب
مجھے دشتِ غیر میں چھوڑ کر
مجھے کیا خبر وہ کدھر گئے۔

○

عجب لہجے میں چھپ کر بولتی ہے
مرے ماضی کی ٹھوکر بولتی ہے

مرے دشتِ بدن کی خامشی میں
تمہاری یاد اکثر بولتی ہے

کہیں خوابِ تمنا مر نہ جائے
اندھیری رات صرصر بولتی ہے

جو خواہش سسکیاں لیتی ہے گھر میں
کسی مرقد پہ جا کر بولتی ہے

ہمیں نے سادھ لی چُپ ورنہ دل میں
تری چاہت کہ فر فر بولتی ہے

نظر سے ماورا دل کی سُندرتا
پسِ دیوارِ پیکر بولتی ہے

تم آئینے پہ رکھ کر دیکھ لینا
جو خاموشی ہے پتھر بولتی ہے

ہائیکو

اس شور مچاتی بستی میں
میں چُپ ہوں دیکھوں اور لکھوں

میرے سُونے لمحے زندہ ہیں

آغازِ بہار میں پھولوں کی موت

(نثری نظمیں)

پہلی نظم

میں ایک نظم لکھنا چاہتا ہوں
تمہارے لئے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اپنی محبت کی طرح خوبصورت
لیکن قلم سے کاغذ پر نہیں

شبنم کے قطروں سے ۔ پھول کی پتیوں پر
پرندوں کے نغموں سے ۔ سبزہ زاروں پر
چشموں کی آوازوں سے ۔ ہوا کی چادر پر

میں ایک نظم لکھنا چاہتا ہوں

پرندوں کی قطاروں سے — جھیل کی سطح پر
قوس و قزح کے رنگوں سے — آسمان کی وسعتوں پر
چاندنی کی کرنوں سے — برفیلے پہاڑوں پر
سردیوں کی دھوپ سے — گھر کے اداس آنگن پر
خوبصورت گیتوں کی دھن سے — شام کے ملگجے پر

میں ایک نظم لکھنا چاہتا ہوں

صبح کی روشنی سے — رات کے چہرے پر
نرگس کی خوشبو سے — تمہارے ملبوس پر
اور اپنی محبت سے — تمہاری روح پر

میں ایک نظم لکھنا چاہتا ہوں۔

دوسری نظم

تمہاری محبت بالکل اس طرح فریب دیتی ہے
جیسے آمد شعر ہو
اور قلم لکھنا چھوڑ دے
تمہاری محبت بالکل اس طرح فریب دیتی ہے
جیسے کتابوں سے تھک کر
کوئی خوبصورت نغمہ سنتے ہوئے
کیسٹ کی ٹیپ ٹوٹ جائے

تمہاری محبت بالکل اس طرح فریب دیتی ہے
جیسے رات گئے سخت ڈیپریشن میں
ماچس کی آخری تیلی
سگریٹ سلگانے سے پہلے ہی بجھ جائے
تمہاری محبت بالکل اس طرح فریب دیتی ہے
جیسے کرکٹ کی جیتنے والی ٹیم کی قسمت میں
میچ کے آخری دن بارش ہو جائے
تمہاری محبت بالکل اس طرح فریب دیتی ہے
جیسے خواہشوں کے اندھے سفر میں
زندگی ساتھ چھوڑ دے۔

آخری نظم

میں ایک نظم لکھنا چاہتا ہوں

تمھارے لئے ___________ خوبصورت بہت ہی خوبصورت

اپنی اداسی

اور اپنی محبت کی طرح خوبصورت

تمہاری ابتدائے محبت کی معصومیت کی طرح خوبصورت

سقراط کی موت اور اینا سیکسٹن کی خودکشی کی طرح خوبصورت

لیکن قلم سے کاغذ پر نہیں

اپنے تاریک دنوں کی چیخ سے۔ تمہاری روشن راتوں کے سکون پر
تمہارے انتظار کے چراغوں سے۔ اپنی تنہا شاموں کی افسردگی پر
تمہاری یاد کی خوشبو سے۔ اپنی تنہائیوں کی بساط پر
اور اپنے دردِ ہجر سے۔ خوابِ وصال کی رعنائیوں پر

میں ایک نظم لکھنا چاہتا ہوں

اپنے آنسوؤں سے۔ تمہارے پتھر جیسے دل پر
اپنے ٹوٹتے دل کی صدا سے۔ تمہارے قہقہوں پر
تمہاری بے رخی کے دھوئیں سے۔ اپنی بے بسی کے منظروں پر
اور اپنے پیار کے جگنوؤں سے۔ تمہاری انا کے جنگل کی تاریکی پر

میں ایک نظم لکھنا چاہتا ہوں

اپنی دیوانگیِ محبت سے
چالاکیوں اور خود غرضیوں کی بارش میں بھیگتے شہر کی
عمارتوں ، سڑکوں اور درختوں پر

میں ایک نظم لکھنا چاہتا ہوں
تمہارے انتظار کے چراغوں سے۔ اپنی تنہا شاموں کی افسردگی پر
اور اپنے دردِ ہجر سے۔ خوابِ وصال کی رعنائیوں پر